

اور اس کے باقی اجزاء آئندہ کے لئے ملتوی کر دیں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے اپنے اولین خط مورخہ
۱۲ مئی میں صحتِ ثبوت پر یہ عرض کیا تھا کہ

”مجھے توثیق کی حقیقی اہمیت سے مجالِ انکار ہے اور نہ اس کی اہمیت کو ختم کرنا مقصود“

چنانچہ آپ کا یہ سوال کہ میرے نزدیک سنت رسول اللہ جانے خود کوئی چیز ہے یا نہیں؟
غیر ضروری ہے۔ البتہ میرے نزدیک سنت کا مفہوم آپ سے مختلف ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ
آیا میں سنت کو قرآن کے ساتھ ماخذِ قانون مانتا ہوں یا نہیں؟۔ میرا جواب نفی میں ہے۔ آپ
نے فرمایا کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ اجازت دیجئے کہ میں پہلے اس بات کو صحت کروں کہ۔ آیا رسول اللہ
نے قرآن سنا دینے کے سوا دنیا میں کوئی کام کیا تھا یا نہیں؟ اور اگر کیا تھا تو کس حیثیت میں؟۔ جب
اسکا جواب سامنے آجائیگا۔ تو دلیل خود بخود سامنے آجائیگی۔

مجھے آپ سے سو فیصدی اتفاق ہے کہ حضورؐ متعجب بھی تھے، حاکم بھی تھے، قاضی بھی
تھے، سپہ سالار بھی۔ آپ نے افراد کی تربیت کی اور تربیت یافتہ افراد کو ایک منظم جماعت کی شکل

دی۔ اور پھر ایک ریاست قائم کی وغیرہ وغیرہ! لیکن اس بات پر آپ سے اتفاق نہیں کہ تیس سالہ
پنجمینہ زندگی میں حضورؐ نے جو کچھ کیا تھا یہ وہ سنت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکمِ اعلیٰ کے قانون

بننے کی تشکیل تکمیل کرتی ہے۔ بے شک حضورؐ نے حاکمِ اعلیٰ کے قانون کے مطابق معاشرہ کی تشکیل

تو فرمائی لیکن یہ کہ کتاب اللہ کا قانون (نعوذ باللہ) ناممکن تھا۔ اور جو کچھ حضورؐ نے عملاً کیا اس سے اس

قانون کی تکمیل ہوئی میرے لئے ناقابلِ فہم ہے۔ میرے نزدیک وحی پانے کا سلسلہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ہمیشہ

کے لئے بند ہو گیا۔ لیکن رسالت کے فرائض جو حضورؐ نے سرانجام دئے ان کا مقصد یہ تھا کہ حضورؐ

کے بعد بھی انہیں خطوط پر معاشرے کا قیام عمل میں لایا جاسکے اور یہ تسلسل قائم رہے۔ اگر حضورؐ نے

مَا أَنْزَلَ اللَّهُ كُودُ مَرُورٍ تَكْبِ بِنِيَا يَأْتِ مَتَّ كَا بَحِي فَرِيضَه هِي كَه مَا أَنْزَلَ اللَّهُ كُودُ مَرُورٍ تَكْبِ بِنِيَا يَأْتِ

اگر حضورؐ نے مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے مطابق جماعت بنائی ریاست قائم کی اور امر بائیس و نہ اور نہی عن المنکر

کا فریضہ ادا کیا تو امت کا بھی فریضہ ہے کہ انہیں خطوط پر عمل کرے اگر حضورؐ نے مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے

مطابق معاملات کے فیصلے کئے تو امت بھی مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے مطابق فیصلے کرے۔ اگر حضورؐ نے شاورہم فی الامر کے مطابق امورِ سلطنت میں مشاورت سے کام لیا تو امت بھی ایسا ہی کرے اگر حضورؐ نے نبوت کے تئیس سال غزوات میں گھوڑے کی پیٹھ پر گزارے تو امت بھی انہی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر جنگ کرے۔ چنانچہ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کے مطابق تربیت، حجتِ بندگی، ریاست کا قیام، مشاورت، قضا، غزوات - یہ سارے کام امت کرے تو یہ سنتِ رسول اللہؐ ہی کی پیروی ہے۔ حضورؐ نے بھی اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق مَا أَنْزَلَ اللَّهُ پر عمل کرتے ہوئے معاشرے کی تشکیل کی۔ اور سنتِ رسول اللہؐ کی پیروی یہ ہے کہ ہر زمانے کی امت، زمانے کے تقاضوں کے مطابق مَا أَنْزَلَ اللَّهُ پر عمل کرتے ہوئے معاشرے کی تشکیل کرے۔ موجودہ وقت میں ہم جو بھی طرزِ حکومت، حالات اور موجودہ تقاضوں کے مطابق مناسب سمجھیں عمل میں لائیں۔ لیکن مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر۔ یہی سنتِ رسول اللہؐ پر عمل ہوگا۔ اگر ہم ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر جو مَا أَنْزَلَ اللَّهُ نے متعین کئے ہیں جنگیں لڑیں تو یہی سنتِ رسول اللہؐ پر عمل ہوگا۔ لیکن اگر عید کہ ایک مقامی اخبار میں ایک مولوی صاحب نے گذشتہ ہفتہ لکھا تھا کہ حضرت عمرؓ کی فوج کو ایک قلعہ فتح کرنے میں تاخیر اس لئے ہوئی کہ فوج نے کئی دن مسواک نہیں کی تھی یا یہ کہ آج کے ایٹمی دور میں جنگ کے اندر تیریل کا استعمال ہی ضروری ہے کیونکہ حضورؐ نے جنگوں میں تیرا استعمال کئے تھے تو اس سے بڑھ کر سنتِ رسول اللہؐ سے مذاق کیا ہو سکتا ہے۔ ان تمام اعمال میں جو حضورؐ نے تئیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں کئے وہ اسی مَا أَنْزَلَ اللَّهُ کا جو کتاب اللہ میں موجود ہے اتباع کئے تھے اور امت کو بھی یہی حکم ملا کہ اسی کا اتباع کرے۔ جہاں اَتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (۱۶۱) لکھا امت کے افراد کو تلقین کی وہاں یہ بھی اعلان ہوا کہ حضورؐ بھی اسی کا اتباع کرتے ہیں۔ قُلْ اَتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ (۱۶۲)۔ نہ معلوم آپ کن وجوہات کی بنا پر کتاب اللہ کے قانون کو نامکمل قرار دیتے ہیں کم از کم میرے لئے تو یہ تصور بھی جسم میں کیسی پیدا کرتا ہے۔ کیا آپ قرآن کریم سے کوئی ایسی آیت پیش فرمائیں گے جس سے معلوم ہو کہ قرآن کا قانون نامکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو انسانوں کی رہنمائی کے لئے

صرف ایک ضابطہ قوانین کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جو شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ بلکہ اس کی ابتداء ہی ان الفاظ سے کی ہے۔ ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ اور پھر معاملات زندگی میں فیصلوں کے لئے اس ضابطہ حیات کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا، اور یہ بھی واضح طور پر اعلان کر دیا کہ یہ ضابطہ قانون مفصل ہے۔ اَفَعَيَّرُوا فَلْتَهُ اَتَّبِعِي حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي اَنْزَلَ اِلَيْكُمْ الْكِتَابَ مَفْصَلًا (۱۵۶) بلکہ مومن اور کافر کے درمیان تمیز رکھدی کہ وَمَنْ لَمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ فَاولئك هم الكافرون (۱۵۷) کیا قرآن کریم کو کتاب عزیز (ایک غالب کتاب) کہہ نہیں سکتا؟ کیا تمہارا کلمہ ربّیک صدقاً و عدلاً (۱۵۸) کا اعلان یثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہ قانون خداوندی مکمل ہو چکا ہے۔ اور جو کچھ باقی رہتا تھا وہ پورا ہو گیا۔

کافر بھی تو اس کتاب کے علاوہ کوئی چیز اپنی نسل کے لئے چاہتے تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا یہ کتاب ان کے لئے کافی نہیں؟ اَوَلَمْ يَكْفِيهِمْ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (۱۵۹)

مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ چونکہ دین کا تقاضا یہ تھا کہ کتاب پر عمل اجتماعی شکل میں ہو اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص قرآن پر اپنی سمجھ کے مطابق عمل کرے اور دوسرا اپنی سمجھ کے مطابق۔ اس لئے نظام کو قائم رکھنے کے لئے ایک زندہ شخصیت کی ضرورت ہے اور مجھے اس بات کا بھی احساس ہے کہ جہاں اجتماعی نظام کے قیام کا سوال ہو۔ وہاں پہنچانے والے کا مقام بہت آگے ہوتا ہے کیونکہ پیغام اس نے اس لئے پہنچایا کہ وحی اس کے سوا اور کسی کو ملتی نہیں۔ چنانچہ قرآن نے اسی لئے واضح کر دیا کہ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطاع الله چنانچہ حضور مرکزِ اہمیت بھی تھے۔ اور سنت رسول اللہ پر عمل ہی ہے کہ حضور کے بعد بھی اسی طرح مرکزیت کو قائم رکھا جائے چنانچہ اسی لئے کہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں واضح کر دیا کہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا الرَّسُولُ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرَّسُلُ اَفَاَنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَلْقَلْبُ لَكُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ظَالِمًا لِّبَالِغٍ مِنْ عِلْمٍ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ اور نبی عن المنكر کا سلسلہ را اگر اس کا مقصد و عطف و نصیحت نہیں) اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ سنت رسول اللہ پر عمل کرتے ہوئے مرکزِ اہمیت کے قیام کو مسلسل عمل میں لایا جائے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس ضابطہ قانون پر پہلانا حضور کا مقصد تھا اور آئندہ مرکزِ اہمیت کا مقصد رہے گا۔ اس ضابطہ قانون کو نامکمل قرار دے دیا جائے۔

یہ صحیح عبارت اَوَلَمْ يَكْفِيهِمْ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ

آپ کا سوال یہ ہے کہ جو کام حضور نے تیس سالہ سفیرانہ زندگی میں سرانجام دئے ان میں انحضرت کی پوشیدگی کی تھی؟ میرا جواب یہ ہے کہ حضور نے جو کچھ کر کے دکھایا وہ ایک بشر کی حیثیت سے لیکن ما انزل اللہ کے مطابق کر کے دکھایا میرا یہ جواب کہ حضور کے فرائض رسالت کی سرانجام دہی ایک بشر کی حیثیت سے تھی۔ تین برس اپنے ذہن کی پیداوار نہیں بلکہ خود کتاب اللہ سے اسکا ثبوت تھا ہے حضور نے باہر اس بات پر زور دیا کہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَٰكِن اٰیٰتِیْ وَفَاہِیْ وَاصِحْ ہے کہ حضور نظام مملکت کی سرانجام دہی میں ایک بشر کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور کبھی کبھی انحضرت سے اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَا اُضِلُّ عَلَىٰ لَفْسِیْ وَاِنْ اِهْتَدَيْتُ فَمَا یُوحِیْ اِلَیَّ رَبِّیْ اِنَّكَ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ (۲۳) اگر اجتہادی غلطیاں ایسی ہوتیں جن کا اثر دین کا ہم گوشے پر پڑتا تو خدا کی طرف سے اس کی تادیب بھی آجاتی۔ جیسے کہ ایک جنگ کے موقع پر بعض لوگوں نے پیچھے رہنے کی اجازت چاہی اور حضور نے دے دی۔ اس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی عَفَا لَہٗ عَنكَ لِمَا اٰذَنَّا لَہُمْ حَتّٰی یَتَّبِعِنَّ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعَلَّمِ الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا (۹) اسی طرح سورہ تخریم میں تادیب آگئی یا اٰیہا النبی لِمَ تَحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ (۱۳) اسی طرح سورہ ص میں ہے عَبَسَ وَتَوَلّٰی اِنَّ جَاۡدَةَ الْاَعْمٰی وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّکَ بَیْرُکِیْ اَوْ یَدَّکَ رَفَعْتُمْ فَعَدُوُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْ اَسْتَعْتَبَ فَاٰتَتْ لَکَ تَصَدّٰی وَ مَا عَلَیْکَ الْاَلْبَیْرُکِیْ وَ اَمَّا مَنْ جَاۡدَکَ یَسْعٰی وَ هُوَ یُحِیْشِیْ فَاٰتَتْ عَنۡہُ تَلٰہِیْ (۸)

مندرجہ بالا تصریحات سے ظاہر ہے کہ وحی کی روشنی میں امور سلطنت کی سرانجام دہی میں جوئی معاملات میں حضور سے اجتہادی غلطیاں بھی ہو جاتی تھیں اور ایسی صورت میں ہو سکتا تھا کہ حضور ان امور کو ایک بشر کی حیثیت سے سرانجام دیتے تھے۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے دو نتائج لازماً پیدا ہوتے۔ اولاً یہ تصور کہ چونکہ حضور نے جو کچھ کیا وہ ایک نبی کی حیثیت سے کیا اس لئے عام انسان ان کو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ آج بھی مایوسی کے عالم میں بعض جگہ یہ تصور پایا جاتا ہے کہ حضور نے جو معاشرہ قائم کیا تھا وہ عام انسانوں کے بس کا رنگ نہیں۔ اور وہ دوبارہ قائم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تصور بجائے خود سنت رسول اللہ کی پیروی کی نفی ہے۔ دوسرا نتیجہ اس کا یہ تصور ہو سکتا ہے کہ اس لئے حضور کے بجز نبیوں کے آنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ پھر سے اس قسم کا معاشرہ قائم کر سکیں (چونکہ عام انسان ایسا نہیں کر سکتے)۔ آپ خود سوچئے کہ یہ دونوں نتائج کس قدر خطرناک ہیں۔ جو اس تصور

کے نتیجہ کے طور پر پابھر کر سامنے آتے ہیں کہ حضور نے جو کچھ بھی کیا ایک نبی کی حیثیت سے کیا ختم نبوت انسانیت کے سفر زندگی میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے شخصیتوں کا فوہ ختم ہوتا ہے اور اصول و اقدار کا وعدہ شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ تصور کہ حضور نے جو کچھ کیا ایک نبی کی حیثیت سے کیا ختم نبوت کے اصول کی تردید کے مترادف ہے۔ مَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ... (پہلے) جیسی واضح آیات کے بعد یہ کہنا کہ رسول اللہ جو کچھ کرتے تھے وحی کی رو سے کرتے تھے (اور وحی کا سلسلہ حضور کی ذات کے ساتھ ختم ہو گیا) اس بات کا اعلان ہے کہ حضور کی وفات کے بعد دین کا سلسلہ قائم نہیں رہ سکتا۔ حضرات مخلصانے کرام بھی طرح سمجھتے تھے کہ وحی اکتب کے اندر محفوظ ہے اور اس کے بعد حضور جو کچھ کرتے تھے باہمی مشاہدہ سے کرتے تھے۔ اس لیے حضور کی وفات کے بعد نظام میں کوئی تبدیلی واقعی نہیں ہوئی۔ سلطنت کی وسعت کے ساتھ تقاضے بڑھنے گئے اس لیے آتے دن نئے نئے امور سامنے آتے تھے جن کے تصفیہ کے لیے اگر کوئی پہلا فیصلہ مل جاتا جس میں تبدیلی کی ضرورت نہ ہوتی تو اسے علیٰ حالہ قائم رکھتے تھے۔ اگر اس میں تبدیلی کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے تبدیلی کر لیتے۔ اور اگر نئے فیصلے کی ضرورت ہوتی تو باہمی مشاورت سے نیا فیصلہ کر لیتے۔ یہ سب کچھ قرآن کی روشنی میں ہوتا تھا۔ یہی طریقہ رسول اللہ کا تھا۔ اور اسی کو حضور کے جانشینوں نے قائم رکھا۔ اسی کا نام اتباع سنت رسول اللہ ہے۔

اگر فرض کر لیا جائے کہ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں کہ حضور جو کچھ کرتے تھے وحی کی رو سے کرتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ خدا کو اپنی طرف سے بھیجی ہوئی ایک قسم کی وحی پر دعوٰی باللہ تسمیٰ نہ ہوئی چنانچہ دوسری قسم کی وحی کا نزول شروع ہو گیا، یہ دوزگی وحی آخر کیوں؟ پہلے آنے والے نبیوں پر جب وحی نازل ہوئی تو اس میں نزول قرآن کی طرف اشارہ تھا۔ تو کیا اس اللہ کے لیے جو ہر چیز پر قادر ہے یہ بڑا مشکل تھا کہ دوسری قسم کی وحی جس کا آپ ذکر کرتے ہیں اس کا قرآن میں اشارہ کر دیتا۔ مجھے تو قرآن میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آتی۔ اگر آپ کسی آیت کی طرف اشارہ

فرما سکیں تو مشکور ہو گا۔ والسلام

مخلص

عبدالودود

جواب

محرمی و مکرمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ عنایت نامہ مورخہ ۷ مارچ ۱۹۸۲ء ملا۔ اس تازہ عنایت نامے میں آپ نے اپنے پیش کردہ ابتدائی چار سوالات میں سے پہلے سوال پر بحث کو مجدد رکھتے ہوئے نبوت اور سنت کے متعلق اپنے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ کا تصور نبوت ہی بنیادی طور پر غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ جب بنیاد ہی میں غلطی موجود ہو تو بعد کے اُن سوالات پر جو اسی بنیاد سے اُٹھتے ہیں بحث کر کے ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ آپ میرے جواب پر مزید سوالات اٹھانے کے بجائے ان اصل مسائل پر گفتگو فرمائیں جو میں نے اپنے جواب میں بیان کیے ہیں۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری اس گزارش کو قبول کر کے اولین بنیادی سوال پر اپنے خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ اب میں آپ کی، اور ان دوسرے لوگوں کی جو اس غلط فہمی میں گرفتار ہیں کچھ خدمت انجام دے سکوں گا۔

نبوت اور سنت کا جو تصور آپ نے بیان کیا ہے وہ قرآن مجید کے نہایت ناقص مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ آپ نے اس ناقص مطالعہ پر اتنا اعتماد کر لیا کہ پہلی صدی سے آج تک اس بارے میں ساری امت کے علماء اور عوام کا بالاتفاق جو عقیدہ اور عمل رہا ہے اسے آپ غلط سمجھ بیٹھے ہیں اور اپنے نزدیک یہ خیال کر لیا ہے کہ پونے چودہ سو سال کی طویل مدت میں تمام مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کو سمجھنے میں ٹھوکر کھا گئے ہیں، ان کے تمام علمائے قانون نے سنت کو ماخذِ قانون ماننے میں غلطی کی ہے، اور ان کی تمام سلطنتیں اپنا قانونی نظام

اس بنیاد پر قائم کرنے میں غلط فہمی کی شکار ہو گئی ہیں۔ آپ کے ان خیالات پر تفصیلی گفتگو تو میں آگے کی سطحوں میں کروں گا، لیکن اس گفتگو کا آغاز کرنے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ آپ ٹھنڈے دل سے اپنے دینی علم کی مقدار کا خود جائزہ لیں اور خود ہی سوچیں کہ وہ علم جو آپ نے اس بارے میں حاصل کیا ہے کیا وہ اتنے بڑے زعم کے لیے کافی ہے؟ قرآن تنہا آپ ہی نے تو نہیں پڑھا ہے۔ کروڑوں مسلمان ہر زمانے میں اور دنیا کے ہر حصے میں اس کو پڑھتے رہے ہیں۔ اور بے شمار ایسے لوگ بھی اسلامی تاریخ میں گزرے ہیں اور آج بھی پائے جاتے ہیں جن کے لیے قرآن کا مطالعہ ان کے بہت سے مشاغل میں سے ایک ضمنی مشغلہ نہیں رہا ہے بلکہ انہوں نے اپنی عمریں اس کے ایک ایک لفظ پر غور کرنے اور اس کے مضمرات سمجھنے اور ان سے نتائج اخذ کرنے میں صرف کر دی ہیں۔ آخر آپ کو یہ غلط فہمی کیسے لاحق ہو گئی کہ نبوت جیسے بنیادی مسئلے میں یہ سب لوگ قرآن کا منشا بالکل الٹا سمجھ بیٹھے ہیں اور صحیح منشا صرف آپ پر اور آپ جیسے چند اصحاب پر اب منکشف ہوا ہے۔ پوری تاریخ اسلام میں آپ کسی ایک قابل ذکر عالم کا بھی نام نہیں لے سکتے جس نے قرآن سے منصب نبوت کا وہ تصور اخذ کیا جو آپ بیان کر رہے ہیں اور سنت کی وہ حیثیت قرار دی ہو جو آپ قرار دے رہے ہیں۔ اگر ایسے کسی عالم کا حوالہ آپ دے سکتے ہیں تو براہ کرم اس کا نام لیجیے۔

۱۔ منصب نبوت اور اس کے فرائض | آپ کی عقل و ضمیر سے یہ مخلصانہ اپیل کرنے کے بعد اب میں آپ کے پیش کردہ خیالات کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔ آپ کی ساری بحث دس نکات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پہلا نکتہ خود آپ کے الفاظ میں یہ ہے:

”مجھے آپ سے سو فی صدی اتفاق ہے کہ حضور معلم بھی تھے، حاکم بھی تھے،

قاضی بھی تھے، سپہ سالار بھی۔ آپ نے افراد کی تربیت کی اور تربیت یافتہ افراد کو

ایک منظم جماعت کی شکل دی۔ اور پھر ایک ریاست قائم کی۔“

یہ سو فی صدی اتفاق جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں، دراصل ایک فی صدی، بلکہ ایک

فی صدی بھی نہیں ہے، اس لیے کہ آپ نے حضور کو محض معلم، حاکم، قاضی وغیرہ مانا ہے، مگر من اللہ کی لازمی صفت کے ساتھ نہیں مانا ہے۔ حالانکہ سارا فرق اسی صفت کے ماننے اور نہ ماننے سے واقع ہوتا ہے۔ آگے چل کر آپ نے خود یہ بات واضح کر دی ہے کہ آپ کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سارے کام رسول کی حیثیت میں نہیں بلکہ ایک عام انسان کی حیثیت میں تھے اور اسی وجہ سے اس حیثیت میں حضور نے جو کام کیا ہے اسے آپ وہ سنت نہیں مانتے جو ماخذ قانون ہو۔ دوسرے الفاظ میں آنحضرت آپ کے نزدیک ایک معلم تھے مگر خدا کے مقرر کردہ نہیں بلکہ جیسے دنیا میں اور اسناد ہوتے ہیں ویسے ہی ایک حضور بھی تھے۔ اسی طرح آپ قاضی تھے، مگر خدا نے آپ کو اپنی طرف سے قاضی مقرر نہیں کیا تھا بلکہ دنیا کے عام حجوں اور میجسٹریٹوں کی طرح ایک جج یا میجسٹریٹ آپ بھی تھے۔ یہی پوزیشن حاکم اور مرکی اور قائد و رہنما کے معاملہ میں بھی آپ نے اختیار کی ہے کہ ان میں سے کوئی منصب بھی آپ کے خیال میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور من اللہ ہونے کی حیثیت سے حاصل نہ تھا۔

پہلا سوال یہ ہے کہ پھر یہ مناصب حضور کو حاصل کیسے ہوتے۔ کیا مکہ میں اسلام قبول کرنے والوں نے با اختیار خود آپ کو اپنا لیڈر منتخب کیا تھا اور اس قیادت کے منصب سے وہ آپ کو ٹھہار دینے کے بھی مجاز تھے؟ کیا مدینہ پہنچ کر بے اسلامی ریاستہ کی بنا ڈالی گئی اس وقت انصار و مہاجرین نے کوئی مجلس مشاورت منعقد کر کے یہ طے کیا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس ریاست کے صدر اور قاضی اور افواج کے قائد اعلیٰ ہوں گے؟ کیا حضور کی موجودگی میں کوئی دوسرا مسلمان بھی ان مناصب کے لیے منتخب ہو سکتا تھا؟ اور کیا مسلمان اس کے مجاز تھے کہ آپ سے بے مناصب یا ان میں سے کوئی منصب آپس لیکر باہمی مشورے سے کسی اور کو سونپ دیتے؟ پھر کیا یہ بھی واقعہ ہے کہ مدینے کی اس ریاست کے لیے قرآن کے تحت تفصیلی قوانین اور ضابطے بنانے کی غرض سے کوئی

بجلیجہ حضور کے زمانہ میں قائم کی گئی تھی جس میں آپ صحابہ کے مشیر سے سے قرآن کا منشا معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہوں اور اس مجلس کی رائے سے قرآن کا جو مفہوم متعین ہوتا ہو اس کے مطابق ملکی قوانین بنائے جاتے ہوں؟ اگر ان سوالات کا جواب اثبات میں ہے تو براہ کرم اس کا کوئی تاریخی ثبوت ارشاد فرمائیں۔ اور اگر نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہے، تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود رہنما، فرمانروا، قاضی، شاعر اور قائدِ اعلیٰ بن بیٹھے تھے؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ حضور کی جو حیثیت آپ قرار دے رہے ہیں کیا قرآن بھی آپ کی وہ حیثیت قرار دیتا ہے؟ اس سلسلہ میں ذرا قرآن کھول کر دیکھیے کہ وہ کیا کہتا ہے۔

رسول بحیثیت معلم و مرئی | اس کتاب پاک میں چار مقامات پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے:

اور یاد کرو جبکہ ابراہیم اور اسماعیل اس گھر
 رکعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (انہوں نے دعا کی
 ... اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود
 انہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں
 تیری آیات پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور

وَإِذ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ
 الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ... رَبَّنَا وَابْعَثْ
 فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ
 وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ
 (البقرہ - آیت ۱۲۹)

حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

جس طرح ہم نے تمہارے اندر خود تمہی میں سے
 ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر
 سنانا ہے اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب
 و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا
 ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو
 عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ
 وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا
 تَعْلَمُونَ -

(البقرہ - آیت ۱۵۱)

اللہ نے ایمان لانے والوں پر احسان فرمایا جبکہ

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ

لَعَنَ فِيهِمْ رَسُولَاتِنَ الْفُسَيْهِمَ يَتْلُوا
عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران - ۱۶۲)

ان کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث
کیا جو انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سنا رہے اور ان
کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم
دیتا ہے۔

هُوَ الَّذِي لَعَنَ فِي الْأَمِّيِّينَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
(المجموعہ - ۲)

وہی ہے جس نے اُمیوں کے درمیان خود انہی میں
سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات
پڑھ کر سنا رہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور
ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ان آیات میں بار بار جن بات کو تاکید دیرایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
رسول کو صرف آیات قرآن سنا دینے کے لیے نہیں بھیجا تھا بلکہ اس کے ساتھ بعثت کے تین
مقصد اور بھی تھے۔ ایک یہ کہ آپ لوگوں کو کتاب کی تعلیم دیں۔ دوسرے یہ کہ اس کتاب کے
نشا کے مطابق کام کرنے کی حکمت سکھائیں۔ اور تیسرے یہ کہ آپ افراد کا بھی اور ان کی اجتماعی
کا بھی تزکیہ کریں یعنی اپنی تربیت سے ان کی انفرادی اور اجتماعی خرابیوں کو دور کریں اور ان کے
اندر اچھے اوصاف اور بہتر نظام اجتماعی کو نشوونما دیں۔ ظاہر ہے کہ کتاب اور حکمت کی تعلیم
صرف قرآن کے الفاظ سنا دینے سے زائد ہی کوئی چیز تھی ورنہ اس کا الگ ذکر کرنا بے معنی تھا۔
اسی طرح افراد اور معاشرے کی تربیت کے لیے آپ جو تدابیر بھی اختیار فرماتے تھے وہ بھی
قرآن کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے زائد ہی کچھ تھیں، ورنہ تربیت کی اس الگ خدمت کا
ذکر کرنے کے کوئی معنی نہ تھے۔ اب فرمائیے کہ قرآن پہنچانے کے علاوہ یہ معلم اور مربی کے مناصب
جو حضور کو حاصل تھے ان پر آپ خود فائز ہو بیٹھے تھے یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان پر مامور فرمایا
تھا؟ کیا قرآن کی ان صاف اور مکرر تصریحات کے بعد اس کتاب پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص
یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ یہ دونوں مناسب رہالت کے اجزاد نہ تھے اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم ان مناصب کے فرائض اور خدمات بحیثیت رسول نہیں بلکہ اپنی پرائیویٹ حیثیت میں انجام دیتے تھے؟ اگر نہیں کہہ سکتا تو بتائیے کہ قرآن کے الفاظ سنانے سے زائد جو باتیں حضور نے تعلیم کتاب و حکمت کے سلسلے میں فرمائیں اور اپنے قول و عمل سے افراد اور معاشرہ کی جو ترتیب حضور نے کی اسے من جانب اللہ ماننے اور سند تسلیم کرنے سے انکار خود رسالت کا انکار نہیں تو اور کیا ہے؟

رسول بحیثیت شارح کتاب اللہ | سورہ نحل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (آیت ۲۴)

اور (آسے نبی) یہ ذکر ہم نے تمہاری طرف اس لیے
نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے واضح کر دو اس
تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد یہ خدمت کی گئی تھی کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ جو احکام و ہدایات دے ان کی آپ توضیح و تشریح فرمائیں۔ ایک سٹی عقل کا آدمی بھی کم از کم اتنی بات تو سمجھ ہی سکتا ہے کہ کسی کتاب کی توضیح و تشریح محض اس کتاب کے الفاظ پڑھ کر سنا دینے سے نہیں ہوتی، بلکہ تشریح کرنے والا اس کے الفاظ سے زائد کچھ کہتا ہے تاکہ سننے والا کتاب کا مطلب پوری طرح سمجھ جائے، اور اگر کتاب کی کوئی بات کسی عملی مسئلے سے متعلق ہو تو شارح عملی مظاہرہ (PRACTICAL DEMONSTRATION) کر کے بتاتا ہے کہ مصنف کا منشا اس طرح عمل کرنا ہے۔ یہ نہ ہو تو کتاب کے الفاظ کا مطلب و مدعا پڑھنے والے کو پھر کتاب کے الفاظ ہی سنا دینا کسی طفلِ مکتب کے نزدیک بھی تشریح و توضیح قرار نہیں پاسکتا اب فرمائیے کہ اس آیت کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح اپنی ذاتی حیثیت میں تھے یا خدا نے آپ کو شارح مقرر کیا تھا؟ یہاں تو اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر کتاب نازل کرنے کا مقصد ہی یہ بیان کر رہا ہے کہ رسول اپنے قول و عمل سے اس کا مطلب واضح کرے پھر کس طرح یہ ممکن ہے کہ شارح قرآن کی حیثیت سے آپ کے منصب کو رسالت کے منصب سے

الگ قرار دیا جاتے اور آپ کے پہنچاتے ہوئے الفاظ قرآن کو لیکر آپ کی شرح و تفسیر قبول کرنے سے انکار کر دیا جاتے؟ کیا یہ انکار خود رسالت کا انکار نہ ہوگا؟

رسول بحیثیت پیشوا و نمونہ تقلید | سورہ آل عمران میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

يُحِبِّكُمْ اللَّهُ... قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَ

الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

الْكَافِرِينَ (آیات ۳۱-۳۲)

اے نبی، کہو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو

میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا... کہو

کہ اطاعت کرو اللہ اور رسول کی، پھر اگر وہ منہ موڑتے

ہیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

اور سورہ احزاب میں فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ

حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَاليَوْمَ

الْآخِرَ (آیت ۲۱)

تمہارے لیے اللہ کے رسول میں ایک نمونہ تقلید ہے

ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کا امیدار ہو

ان دونوں آیتوں میں خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو پیشوا مقرر کر رہا ہے، ان کی پیروی کا حکم

دے رہا ہے۔ ان کی زندگی کو نمونہ تقلید قرار دے رہا ہے، اور صاف فرما رہا ہے کہ یہ روش

اختیار نہ کرو گے تو مجھ سے کوئی امید نہ رکھو، میری محبت اس کے بغیر تمہیں حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ

اس سے منہ موڑنا کفر ہے۔ اب فرمائیے کہ حضور رہتا اور لیڈر خود بن بیٹھے تھے؟ یا مسلمانوں نے

آپ کو منتخب کیا تھا؟ یا اللہ نے اس منصب پر آپ کو مامور کیا تھا؟ اگر قرآن کے یہ الفاظ بالکل

غیر مشتبہ طریقے سے آنحضرت کو مامور من اللہ رہتا اور پیشوا قرار دے رہے ہیں، تو پھر آپ کی پیروی

اور آپ کے نمونہ زندگی کی تقلید سے انکار کیسے کیا جا سکتا ہے؟ اس کے جواب میں یہ کہنا

سراسر لغو ہے کہ اس سے مراد قرآن کی پیروی ہے۔ اگر یہ مراد ہوتی تو فَاتَّبِعُوا الْقُرْآنَ فرمایا

جاتا نہ کہ فَاتَّبِعُونِي۔ اور اس صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اسوہ حسنہ کہنے

کے تو کوئی معنی ہی نہ تھے۔

رسول بحیثیت شارح | سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

يَا مَرْهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ
عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحْرِمُهُم
عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ
وَالْأَعْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (آیت ۱۵۷)

وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے
ان کو روکتا ہے اور ان کے لیے پاک چیزوں کو
حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرنا
ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن اتار دیتا ہے
جو ان پر چڑھے ہوئے تھے۔

اس آیت کے الفاظ اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریحی
(LEGISLATIVE) اختیارات عطا کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے امر و نہی اور تحلیل و تحریم صرف
وہی نہیں ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہے، بلکہ جو کچھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام یا حلال قرار دیا ہے اور
جس چیز کا حضور نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا ہے، وہ بھی اللہ کے دیتے ہوئے اختیارات سے
ہے، اس لیے وہ بھی قانونِ خداوندی کا ایک حصہ ہے۔ یہی بات سورہ عشر میں اسی صراحت کے
ساتھ ارشاد ہوئی ہے:

وَمَا اشْكُرُ الرَّسُولَ فَنُذِرَهُ وَمَا
نَهَاكُمْ عَنْهُ فَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
شَدِيدُ الْعِقَابِ (آیت ۷)

جو کچھ رسول تمہیں سے لے لے لو اور جس سے منع
کرے اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو، اللہ
سخت سزا دینے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں سے کسی کی یہ تاویل نہیں کی جاسکتی کہ ان میں قرآن کے امر و نہی اور قرآن
کی تحلیل و تحریم کا ذکر ہے۔ یہ تاویل نہیں بلکہ اللہ کے کلام میں ترمیم ہوگی۔ اللہ نے تو یہاں امر و نہی اور
تحلیل و تحریم کو رسول کا فعل قرار دیا ہے نہ کہ قرآن کا۔ پھر کیا کوئی شخص اللہ میاں سے یہ کہنا چاہتا ہے
کہ آپ بیان میں غلطی ہو گئی، آپ بھولے سے قرآن کے بجائے رسول کا نام لے گئے؟

رسول بحیثیت قاضی | قرآن میں ایک جگہ نہیں، بکثرت مقامات پر اللہ تعالیٰ اس امر کی تصریح فرماتا ہے
کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قاضی مقرر کیا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ -

(النساء: ۱۰۵)

وَقُلْ إِنصَبْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنِّي
كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ -

(الشورى ۲۱۵)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا
إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا
سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (النور: ۵۱)

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ
اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ
يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا (النساء: ۶۱)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ
حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا -

(النساء: ۶۵)

دئے نبی، ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل
کی ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کی دکھائی ہوئی
روشنی میں فیصلہ کرو۔

اور (اے نبی) کہو کہ میں ایمان لایا ہوں اس کتاب پر
جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے
درمیان عدل کروں۔

ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے
جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان
کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا
اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ
کتاب کی طرف اور رسول کی طرف تو تم دیکھتے ہو
منافقوں کو کہ وہ تم سے کتنی کتراتے ہیں۔

پس (اے نبی) تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ
ہونگے جب تک کہ وہ اپنے جھگڑوں میں تجھے فیصلہ
کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ تو کرے اس کی
طرف سے اپنے دل میں کوئی تنگی تک محسوس نہ کریں بلکہ
اسے بسر و چشم قبول کریں۔

یہ تمام آیتیں اس امر میں بالکل صریح ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود مساندہ، یا مسلمانوں کے مقرر
کیے ہوئے حج نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حج تھے۔ تیسری آیت بتا رہی ہے کہ آپ کی
حج ہونے کی حیثیت رسالت کی حیثیت سے الگ نہیں تھی بلکہ رسول ہی کی حیثیت میں آپ حج بھی تھے
اور ایک مومن کا ایمان بالرسالت اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپ کی اس حیثیت

کے آگے بھی سمع و طاعت کا رویہ نہ اختیار کر لے۔ چوتھی آیت میں ما انزل اللہ (قرآن) اور رسول دونوں کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فیصلہ حاصل کرنے کے لیے دو مستقل مرجع ہیں، ایک قرآن قانون کی حیثیت سے، دوسرے رسول حج کی حیثیت سے اور ان دونوں سے منہ موڑنا منافی کا کام ہے نہ کہ مومن کا۔ آخری آیت میں بالکل بے لاگ طریقے سے کہہ دیا گیا ہے کہ رسول کو جو شخص حج کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا وہ مومن ہی نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر رسول کے دیئے ہوئے فیصلے پر کوئی شخص اپنے دل میں بھی تنگی محسوس کرے تو اس کا ایمان ختم ہو جاتا ہے کیا قرآن کی ان تصریحات کے بعد بھی آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرت رسول کی حیثیت سے قاضی نہ تھے بلکہ دنیا کے عام ججوں اور میجسٹریٹوں کی طرح آپ بھی ایک جج یا میجسٹریٹ تھے، اس لیے ان کے فیصلوں کی طرح حضور کے فیصلے بھی ماخذ قانون نہیں بن سکتے؛ کیا دنیا کے کسی جج کی یہ حیثیت ہو سکتی ہے کہ اس کا فیصلہ اگر کوئی نہ مانے یا اس پر تنقید کرے یا اپنے دل میں بھی اسے غلط سمجھے تو اس کا ایمان سلب ہو جاتا ہے؟

رسول بحیثیت حاکم و فرمانروا | قرآن مجید اسی صراحت اور تکرار کے ساتھ بکثرت مقامات پر یہ بات بھی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے حاکم و فرمانروا تھے اور آپ کو یہ منصب بھی رسول ہی کی حیثیت سے عطا ہوا تھا:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ
بِإِذْنِ اللَّهِ (النساء - ۶۴)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اذن (SANCTION) سے جو رسول کی اطاعت کرے اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النساء - ۸۰)

إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا
يَبَايِعُونَ اللَّهَ (الفتح - ۱۰)

اُسے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ کی

أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تَبْطُلُوا أَعْمَالَكُمْ (نور ۲۲)
 وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا
 قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ
 مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
 فَقَدْ صَنَعَ صَنَاعًا مُبِينًا -

(الاحزاب - ۳۶)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَ
 أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن
 تَنَادَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ
 إِن كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
 الْآخِرِ (النساء - ۵۹)

اور اطاعت کرو رسول کی اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔
 اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ
 جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کا رسول کرے تو
 پھر ان کے لیے اپنے اس معاملہ میں خود کو کوئی فیصلہ کر لینے
 کا اختیار باقی رہ جائے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول
 کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔

اسے لوگو جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو اللہ
 کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم
 میں سے اولی الامر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان نزاع
 ہو جائے تو اس کو پھیر دو اللہ اور رسول کی طرف
 اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ اور روزِ آخر پر۔

یہ آیات صاف بتا رہی ہیں کہ رسول کوئی ایسا حاکم نہیں ہے جو خود اپنی قائم کردہ ریاست کا
 سربراہ بن بیٹھا ہو، یا جسے لوگوں نے منتخب کر کے سربراہ بنایا ہو، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 مامور کیا ہوا فرمانروا ہے۔ اس کی فرمانروائی اس کے منصب رسالت سے الگ کوئی چیز نہیں ہے
 بلکہ اس کا رسول ہونا ہی اللہ کی طرف سے اس کا حاکم مطاع ہونا ہے۔ اس کی اطاعت عین اللہ
 کی اطاعت ہے۔ اس سے بیعت دراصل اللہ سے بیعت ہے اس کی اطاعت نہ کرنے کے
 معنی اللہ کی نافرمانی کے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہ ہو۔
 اس کے مقابلے میں اہل ایمان کو جن میں پوری امت اور اس کے حکمران اور اس کے مرکزِ قدرت سب
 شامل ہیں قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جس معاملہ کا فیصلہ وہ کر چکا ہو اس میں وہ خود کو کوئی فیصلہ
 کریں۔ ان تمام تصریحات سے بڑھ کر صاف اور قطعی تصریح آخری آیت کرتی ہے جس میں یکے بعد
 دیگرے تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلے اللہ کی اطاعت۔ اس کے بعد رسول کی

اطاعت پھر تیسرے درجے میں اولی الامر (یعنی آپ کے "مرکزِ ممت") کی اطاعت۔ اس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ رسول اولی الامر میں شامل نہیں ہے، بلکہ ان سے الگ اور بالاتر ہے اور اس کا درجہ خدا کے بعد دوسرے نمبر پر ہے۔ دوسری بات جو اس آیت سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ اولی الامر سے نزاع ہو سکتی ہے مگر رسول سے نزاع نہیں ہو سکتی۔ تیسری بات یہ معلوم ہوئی کہ نزاعات میں فیصلے کے لیے مرجع دو ہیں، ایک اللہ، دوسرا اس کے بعد اللہ کا رسول۔ ظاہر ہے کہ اگر مرجع صرف اللہ ہوتا تو صراحت کے ساتھ رسول کا الگ ذکر محض بے معنی ہوتا۔ پھر جبکہ اللہ کی طرف رجوع کرنے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے تو رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب بھی اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ عہد رسالت میں خود ذات رسول کی طرف اور اس عہد کے بعد سنت رسول کی طرف رجوع کیا جائے۔

سنت کے ماخذ قانون ہونے پر امت کا اجماع اب اگر آپ واقعی قرآن کو ماننے میں ہیں اور اس کتاب مقدس کا نام لیکر خود اپنے من گھڑت نظریات کے معتقد بنے ہوئے نہیں ہیں تو دیکھ لیجیے کہ قرآن مجید صاف و صریح اور قطعاً غیر مشتبہ الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا معلم، مرتبی، پیشوا، رہنما، شارح کلام اللہ، شارع، قاضی اور حاکم و فرمانروا قرار دے رہا ہے، اور حضور کے یہ تمام مناصب اس کتاب پاک کی رو سے منصب رسالت کے اجزائے لاینفک ہیں۔ کلام الہی کی یہی تصریحات ہیں جن کی بنا پر صحابہ کرام کے دور سے لیکر آج تک تمام مسلمانوں نے بالاتفاق یہ مانا ہے کہ مذکورہ بالا تمام حیثیات میں حضور نے جو کام کیا ہے وہ قرآن کے بعد دوسرا ماخذ قانون ہے جب تک کوئی شخص انتہائی بر خود غلط نہ ہو، وہ اس پندار میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ تمام دنیا کے مسلمان اور ہر زمانے کے سارے مسلمان قرآن پاک کی ان آیات کو سمجھنے میں غلطی کر گئے ہیں اور ٹھیک مطلب بس اس نے سمجھا ہے کہ حضور صرف قرآن پڑھ کر مسند دینے کی حد تک رسول تھے، اور اس کے بعد آپ کی حیثیت ایک عام مسلمان کی تھی۔ آخر اس کے ہاتھ وہ کونسی نرالی لغت آگئی ہے جس کی مدد سے قرآن کے

الفاظ کا وہ مطلب اس نے سمجھا جو پوری امت کی سمجھ میں کبھی نہ آیا ؟

۲۔ رسول پاک کے تشریحی اختیارات | دوسرا نکتہ آپ کے یہ ارشاد فرمایا ہے :

” لیکن اس بات پر آپ سے اتفاق نہیں ہے کہ تیس سالہ پیغمبرانہ زندگی میں حضور

نے جو کچھ کیا تھا یہ وہ سنت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکم اعلیٰ کے قانون برتر کی

تشکیل تکمیل کرتی ہے۔ بے شک حضور نے حاکم اعلیٰ کے قانون کے مطابق معاشرہ کی

تشکیل تو فرمائی لیکن یہ کہ کتاب اللہ کا قانون (نعوذ باللہ) نامکمل تھا اور جو کچھ حضور نے

عمل کیا اس سے اس قانون کی تکمیل ہوئی میرے لیے ناقابلِ فہم ہے۔“

اسی سلسلے میں آگے چل کر آپ پھر فرماتے ہیں :

” نہ معلوم آپ کن وجوہات کی بنا پر کتاب اللہ کے قانون کو نامکمل قرار دیتے ہیں

کم از کم میرے لیے تو یہ تصور بھی جسم میں کپکپی پیدا کر دیتا ہے۔ کیا آپ قرآن کریم سے کوئی

ایسی آیت پیش فرمائیں گے جس سے معلوم ہو کہ قرآن کا قانون نامکمل ہے۔“

ان فقرہوں میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے یہ ایک بڑی غلط فہمی ہے جو علم قانون کے

ایک مسلم قاعدے کو نہ سمجھنے کی وجہ سے آپ کو لاحق ہوئی ہے۔ دنیا بھر میں یہ قاعدہ تسلیم

کیا جاتا ہے کہ قانون سازی کا اختیار اعلیٰ جس کو حاصل ہو وہ اگر ایک مجمل حکم دیکر یا ایک عمل کا

حکم دے کر، یا ایک اصول طے کر کے اپنے ماتحت کسی شخص یا ادارے کو اس کی تفصیلات کے

بارے میں قواعد و ضوابط مرتب کرنے کے اختیارات تفویض کر دے تو اس کے مرتب کردہ قواعد

ضوابط قانون سے الگ کوئی چیز نہیں ہوتے بلکہ اسی قانون کا ایک حصہ ہوتے ہیں۔ قانون ساز

کا اپنا مشا یہ ہوتا ہے کہ جس عمل کا حکم اس نے دیا ہے، ذیلی قواعد (BYE LAWS) بنا کر

اس پر عہدہ رآمد کا طریقہ (PROCEDURE) مقرر کر دیا جائے، جو اصول اس نے طے

کیا ہے اس کے مطابق مفصل قوانین بنائے جائیں، اور جو مجمل ہدایت اس نے دی ہے

اس کے منشا کو تفصیلی شکل میں واضح کر دیا جائے۔ اسی غرض کے لیے وہ خود اپنے ماتحت شخص

یا اشخاص یا اداروں کو قواعد و ضوابط مرتب کرنے کا مجاز کرتا ہے۔ یہ ذیلی قواعد بلاشبہ اصل تہذیبی قانون کے ساتھ مل کر اس کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں۔ مگر اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ قانون ساز نے غلطی سے ناقص قانون بنایا تھا، اور کسی دوسرے نے اگر اس کا نقص دور کیا۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ قانون ساز نے اپنے قانون کا بنیادی حصہ خود بیان کیا اور تفصیلی حصہ اپنے مقرر کیے ہوئے ایک شخص یا ادارے کے ذریعہ سے مرتب کرا دیا۔

حضرت کے تشریحی کام کی نوعیت | اللہ تعالیٰ نے اپنی قانون سازی میں یہی قاعدہ استعمال فرمایا ہے۔ اس نے قرآن میں عملی احکام اور ہدایات دیکر، یا کچھ اصول بیان کر کے، یا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسول کے سپرد کیا کہ وہ نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب کریں بلکہ عملاً اسے برت کر اور اس کے مطابق کام کر کے بھی دکھادیں۔ یہ تفویض اختیارات کا فرمان خود قانون کے متن (یعنی قرآن مجید) میں موجود ہے:

وَآتَيْنَا لِيَكُمُ الْكِتَابَ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَدُنَّاهُ
مَا نَزَّلَ إِلَيْهِمْ (النحل - آیت ۶۴)

اور (آیہ ۱۰۱) ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف اس لیے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے واضح کر دو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے۔

اس صریح فرمان تفویض کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قولی اور عملی بیان، قرآن کے قانون سے الگ کوئی چیز ہے۔ یہ درحقیقت قرآن ہی کی رو سے اس کے قانون کا ایک حصہ ہے۔ اس کو چیلنج کرنے کے معنی خود قرآن کو اور خدا کے پر وائے تفویض کو چیلنج کرنے کے ہیں۔ اس تشریحی کام کی چند مثالیں | یہ اگرچہ آپ کے نکتے کا پورا جواب ہے، لیکن میں مزید تعلیم کی خاطر چند مثالیں دیتا ہوں جن سے آپ سمجھ سکیں گے کہ قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرح و بیان کے درمیان کس قسم کا تعلق ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا کہ وہ پاکیزگی کو پسند کرتا ہے (وَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کی کہ اپنے لباس کو پاک رکھیں (وَتِيَابَكَ فَطَهِّرْ)۔ حضور نے

اس فتا پر عمل درآمد کے لیے استنجا اور طہارتِ جسم و لباس کے متعلق مفصل ہدایات دیں اور ان پر خود عمل کر کے بتایا۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر تم کو جنابت لاحق ہوگئی ہو تو پاک ہوئے بغیر نماز نہ پڑھو (النساء-۴۳- المائدہ-۶)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ جنابت سے کیا مراد ہے۔ اس کا اطلاق کن حالتوں پر ہوتا ہے اور کن حالتوں پر نہیں ہوتا۔ اور اس سے پاک ہونے کا طریقہ کیا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنا منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لو، سر پر مسح کرو اور پاؤں دھو دو (یا ان پر مسح کرو)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ منہ دھونے کے حکم میں کئی کرنا اور ناک صاف کرنا بھی شامل ہے۔ کان سر کا ایک حصہ ہیں اور سر کے ساتھ ان پر بھی مسح کرنا چاہیے۔ پاؤں میں موزے ہوں تو مسح کیا جائے اور موزے نہ ہوں تو ان کو دھونا چاہیے۔ اس کے ساتھ آپ نے تفصیل کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ وضو کن حالات میں ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالات میں باقی رہتا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ روزہ رکھنے والی رات کو اس وقت تک کھاپی سکتا ہے جب تک فجر کے وقت کا لانا گا سفید ناگے سے تمیز نہ ہو جائے (رَحَىٰ يَتَّبِعُونَ الْحَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْحَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اس سے مراد تاریکی شب کے مقابلہ میں سپید صبح کا نمایاں ہونا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں بعض اشیاء کے حرام اور بعض کے حلال ہونے کی تصریح کرنے کے بعد باقی اشیاء کے متعلق یہ عام ہدایت فرمائی کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے اس کی تفصیل بتائی کہ پاک چیزیں کیا ہیں جنہیں ہم کھا سکتے ہیں اور ناپاک چیزیں کونسی ہیں جن سے ہم کو بچنا چاہیے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میت کی زینہ

اولاد کوئی نہ ہو اور ایک لڑکی ہو تو وہ نصف ترکہ پائیگی اور دوسرے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی حصہ ملیگا۔ اس میں یہ بات واضح نہ تھی کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو وہ کتنا حصہ پائیں گی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توضیح فرمائی کہ دو لڑکیوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے جتنا دوسرے زائد لڑکیوں کا مقرر کیا گیا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو جمع کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔

ان چند مثالوں سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے تفویض کردہ شرعی اختیارات کو استعمال کر کے قرآن کے احکام و ہدایات اور اشارات و مضمرات کی کس طرح شرح و تفسیر فرمائی ہے۔ یہ چیز چونکہ خود قرآن میں دیئے ہوئے فرمانِ تفویض پر مبنی تھی اس لیے یہ قرآن سے الگ کوئی مستقل باذات قانون نہیں ہے بلکہ قرآن کے قانون ہی کا ایک حصہ ہے۔

۳۔ سنت اور اتباع سنت کا مفہوم | تیسرا نکتہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ سنت رسول اللہ کا اتباع یہ ہے کہ جو کام حضور نے کیا وہی ہم کریں، نہ یہ کہ جس طرح حضور نے کیا اسی طرح ہم بھی کریں۔ اگر حضور نے ما انزل اللہ کو دوسروں تک پہنچا یا تو امت کا بھی فریضہ ہے کہ ما انزل اللہ کو دوسروں تک پہنچائے۔ . . .

سنت اور اس کے اتباع کا یہ مفہوم جو آپ نے متعین کیا ہے اس کے متعلق میں قرآن کا کتنا کافی سمجھتا ہوں کہ یہ خود اس ما انزل اللہ کے مطابق نہیں ہے جس کے اتباع کو آپ واجب مانتے ہیں۔ ما انزل اللہ کی رو سے تو سنت کا اتباع یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے مقرر کیے ہوئے معلم، مربی، شارح، تقاضی، حاکم و فرمانروا اور شارح قرآن ہونے کی حیثیت سے جو کچھ فرمایا اور حمل کر کے دکھایا ہے اسے آپ سنت رسول مانتیں اور اس کا اتباع کریں۔ اس کے دلائل میں اوپر بیان کر چکا ہوں، اس لیے انہیں دہرانے کی حاجت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں آپ نے مسواک والی بات جو لکھی ہے اس کا سیدھا سادھا جواب یہ ہے کہ

سنجیدہ علمی مباحث میں اس قسم کی مہمل باتوں کو بطور نظیر لاکر کسی مشلے کا تصفیہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہر نقطہ نظر کے حامیوں میں کچھ نہ کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو اپنی غیر معقول باتوں سے اپنے نقطہ نظر کو مضحکہ انگیز بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کی باتوں سے استدلال کر کے بجائے خود اس نقطہ نظر کی تردید کرنے کی کوشش اگر آپ کریں گے تو اس کے معنی اس کے سوا کچھ نہ ہونگے کہ ذرئی دلائل کا مقابلہ کرنے سے پہلو تہی کر کے آپ صرف کمزور باتیں زور آزمائی کے لیے تلاش کرتے ہیں۔

اسی طرح آپ کی یہ دلیل بھی بہت کمزور ہے کہ اتباع سنت کے معنی آج کے اٹمی دور میں تیروں سے لڑنے کے ہیں کیونکہ حضور کے زمانے میں تیروں ہی سے جنگ کی جاتی تھی۔ آخر آپ سے کس نے کہا ہے کہ اتباع سنت کے معنی یہ ہیں؟ اتباع سنت کے یہ معنی اہل علم نے کبھی نہیں لیے ہیں کہ ہم جہاد میں وہی اسلحہ استعمال کریں جو حضور کے زمانہ میں استعمال ہوتے تھے۔ بلکہ ہمیشہ اس کے معنی یہی سمجھے گئے ہیں کہ ہم جنگ میں ان مقاصد، اخلاقی اصولوں اور شرعی ضابطوں کو ملحوظ رکھیں جن کی ہدایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے دی ہے، اور ان اغراض کے لیے لڑتے اور وہ کارروائیاں کرنے سے باز رہیں جن سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

۴۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر مامور تھے آپ کا چوتھا نکتہ آپ کے اپنے الفاظ اور ہم کس کے اتباع پر مامور ہیں؟ میں یہ ہے کہ

”ان تمام اعمال میں جو حضور نے تیس سالہ پیغمبرِ ادر زندگی میں کیے وہ اسی ما ازل

اللہ کا جو کتاب اللہ میں موجود ہے، اتباع کرتے تھے اور امت کو بھی یہی حکم ملا کہ اسی کا

اتباع کرے۔ جہاں اَتَّبِعُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ رَجِمَ کہہ کر امت کے

افراد کو تقنین کی دہاں یہ بھی اعلان ہوا کہ حضور بھی اسی کا اتباع کرتے ہیں۔ قُلْ اَتَّبِعْ

مَا يَرْسُلْنِي بِالْحَقِّ رَجِمَ“

اس عبارت میں آپ نے دو آیتیں نقل کی ہیں، اور دونوں نہ صرف یہ کہ غلط نقل کی ہیں بلکہ

نقل میں بھی ایسی غلطیاں کی ہیں جو عربی زبان کی شدید کا علم رکھنے والا بھی نہیں کر سکتا پہلی آیت

در اصل یہ ہے اَتَّبِعُوا مَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ۔ یعنی پیروی کرو اس کی جو تمہاری طرف تیار ہے
 رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے۔ آپ کے نقل کردہ الفاظ کا ترجمہ یہ ہو گا کہ پیروی کرو
 اس کی جو اللہ نے تمہارے رب کی جانب سے نازل کیا ہے۔ دوسری آیت کے اصل الفاظ
 قرآن مجید میں یہ ہیں قُلْ اِنَّمَا اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَبِّي (پہلے) کہو کہ میں تو اس وحی کی پیروی
 کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب کی جانب سے بھیجی جاتی ہے۔ آپ نے جو الفاظ نقل کیے ہیں
 ان کا ترجمہ یہ ہے کہو کہ پیروی کرو اس وحی کی جو میری طرف میرے رب کی جانب سے بھیجی
 جاتی ہے۔ میں نے ان غلطیوں پر آپ کو صرف اس لیے متنبہ کیا ہے کہ آپ کسی وقت در الخلد
 دل سے سوچیں کہ ایک طرف قرآن سے آپ کی واقفیت کا یہ حال ہے اور دوسری طرف آپ
 اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ساری امت کے اہل علم و تحقیق قرآن کو غلط سمجھے ہیں اور آپ نے اس کو صحیح سمجھا ہے
 اب رہا اصل مسئلہ، تو اس میں آپ نے دو باتیں کہی ہیں اور دونوں غلط ہیں۔ ایک بات
 آپ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف وہی وحی آتی تھی جو قرآن میں موجود ہے
 اور حضور کو صرف اسی کی پیروی کا حکم تھا۔ حالانکہ خود قرآن سے یہ بات ثابت ہے کہ حضور پر
 قرآن کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے احکام نازل ہوتے تھے اور آپ ان دونوں قسم کی وحیوں
 کا اتباع کرنے پر مامور تھے۔ دوسری بات آپ یہ فرماتے ہیں کہ امت کو صرف قرآن کی پیروی
 کا حکم ہے۔ حالانکہ قرآن یہ کہتا ہے کہ امت کو رسول پاک کی پیروی کا حکم بھی ہے:

قُلْ اِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران - ۳۱) اے نبی کہہ دو

کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت فرمائے گا۔

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَاسْتَجِيبُوا لِيْذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُوْفُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ

هَمَّ بِاٰيٰتِنَا يُوْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الَّذِيْنَ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ بِحُجُوْبَةٍ مِّنْهُ مَلٰٓئِكًا

عِنْدَهُمْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الَّذِيْنَ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ بِحُجُوْبَةٍ مِّنْهُ مَلٰٓئِكًا

ہے۔ اور اس رحمت کو میں ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور

ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں، جو پیروی کرتے ہیں اُس رسول نبی امی کی جس کا ذکر وہ اپنے ہاں توراہ اور کجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنُعَلِّمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ

عَلَى عَقْبَيْهِ (البقرہ - ۱۴۳) اور ہم نے وہ قبلہ جس پر اب تک تم تھے اسی لیے مقرر کیا تھا تاکہ یہ دکھیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اسے پاؤں پھر جاتا ہے۔“

ان آیات میں رسول کی پیروی کرنے کے حکم کو تاویل کے خداد پر چڑھا کر یہ معنی نہیں پہناتے جاسکتے کہ اس سے مراد دراصل قرآن کی پیروی ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، اگر کوئی مقصود یہی ہوتا کہ لوگ رسول کی نہیں بلکہ قرآن کی پیروی کریں تو آخر کیا وجہ ہے کہ سورہ آل عمران والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فَاَتَّبِعُوا كِتَابَ اللّٰهِ کہنے کے بجائے فَاَتَّبِعُوْنِي کے الفاظ استعمال فرماتے؟ کیا آپ کی راستے میں یہاں اللہ میاں سے چوک ہو گئی ہے؟ پھر سورہ اعراف والی آیت میں تو اس تاویل کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ اُس میں آیات خداوندی پر ایمان لانے کا ذکر الگ ہے اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ذکر الگ۔ ان سب زیادہ کئی سوئی آیت سورہ بقرہ کی ہے جو ایسی ہر تاویل کی بڑھ کاٹ دیتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ آپ کے اس مفروضے کا بھی قلع قمع کر دیتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے سوا اور کسی صورت میں وحی نہیں آتی تھی۔ مسجد حرام کو قبلہ قرار دینے سے پہلے مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اسے قبلہ بنانے کا کوئی حکم قرآن میں نہیں آیا ہے۔ اگر آیا ہوتا آپ اس کا حوالہ سے دیں۔ یہ واقعہ ناقابل انکار ہے کہ وہ قبلہ آغاز اسلام میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا اور تقریباً ۱۴ سال تک اسی کی طرف حضور اور صحابہ کرام نماز ادا کرتے رہے۔ ۱۴ سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی اس آیت میں حضور کے اس فعل کی توثیق فرمائی، اور یہ اعلان فرمایا کہ یہ قبلہ ہمارا مقرر کیا ہوا تھا، اور اسے ہم نے اپنے رسول کے ذریعہ سے اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اس سے منہ مڑتا ہے۔ یہ ایک طرف اس امر کا پتہ

ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ بھی وحی کے ذریعہ سے احکام نازل ہوتے تھے اور دوسری طرف یہی آیت پوری صراحت کے ساتھ یہ بتاتی ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان احکام کا اتباع کرنے پر مامور ہیں جو قرآن میں مذکور نہ ہوں، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کے ایمان بالرسالت کی آزمائش ہی اس طریقہ سے ہوتی ہے کہ رسول کے ذریعہ سے جو حکم دیا جاتے اسے وہ مانتے ہیں یا نہیں! اب آپ اور آپ کے ہم خیال حضرات خود سوچ لیں کہ اپنے آپ کو کس خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ اگر آپ کے دل میں واقعی خدا کا اتنا خوف ہے کہ اس کی ہدایت کے خلاف طرز عمل کا تصور کرنے سے بھی آپ کے جسم پر کھپٹی طاری ہو جاتی ہے تو میری گزارش یہ ہے کہ بحث و مناظرہ کے جذبے سے اپنے ذہن کو پاک کر کے اوپر کی چند سطروں کو مکرر پڑھیں۔ خدا کرے کہ آپ کے جسم پر کھپٹی طاری ہو اور آپ اس گمراہی سے بچ سکیں جس میں محض اپنے ناقص مطالعے کی وجہ سے پڑ گئے ہیں۔

(باقی)

ارض القرآن کا سفر

(از جناب محمد عاصم صاحب)

(۵)

درعیہ | ۲۳ نومبر کی دوپہر اسیجے ہمارا پروگرام درعیہ جانے کا تھا۔ امیر عبداللہ کی گاڑی ہمیں لینے کے لیے ہول ہی پر آگئی۔ امیر خود صبح ہی درعیہ روانہ ہو گئے تھے ہم جن موٹر سے روانہ ہوئے، اسے ان کے سکریٹری کمال انجم چلا رہے تھے، جو ایک فلسطینی مہاجر ہیں اور گزشتہ آٹھ سال سے امیر عبداللہ کے ہاں ملازم ہیں۔ غالباً بیروت کی امریکن یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں، اس لیے عام عربوں کی نسبت انگریزی اچھی بولتے ہیں۔

وادی حنیفہ اور مسیلہ کذاب کا وطن | ریاض سے درعیہ تک ٹرک نختہ اور بہت عمدہ ہے۔ ریاض سے نکلتے ہی ہم وادی حنیفہ میں پہنچے جو سب سے ڈیڑھ سو میل کے قریب لمبی ہے۔ یہ وہی وادی ہے جو قبیلہ بنو حنیفہ کا مسکن رہی ہے اور اسی وجہ سے اس کا نام وادی حنیفہ ہے۔ اسی وادی میں ریاض سے تقریباً ۴۵ اور درعیہ سے تقریباً ۳۰ میل کے فاصلہ پر عقربا نامی ایک بگ ہے جہاں حضرت ابوبکر صدیق کے عہد میں حضرت خالد بن ولید اور مسیلہ کذاب کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ اس خونریز جنگ میں جو صحابہ کرام شہید ہوئے، ان کی قبریں اب بھی وہاں پائی جاتی ہیں۔ عقربا ہی کے ایک حصہ کا نام حنیفہ ہے اور یہ وہ جگہ ہے جہاں سب سے پہلے مسیلہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس سے جنوب مغرب کی طرف چند میل کے فاصلہ پر ایک مقام حنیفہ ہے جو مسیلہ کذاب کی جانتے پیدائش ہے۔ ہم ان تاریخی مقامات کو دیکھنے کی شدید خواہش رکھتے تھے، مگر وہاں کا راستہ بالکل کچا تھا اور کچھلے دودنوں سے مسلسل بارش ہو رہی تھی جس کی وجہ سے وادیوں میں پانی بہنے لگا تھا اور راستے خراب ہو گئے تھے۔ اس لیے ہم ان مقامات کو دیکھنے کا پروگرام نہ بنا سکے